رضوان علی رضوی

نواب سلیم اللہ اور جنگِ آزادی

ڈھاکہ کے مشہور نواب اور تحریکِ آزادی کے ایک ممتاز رہنما نواب سر خواجہ سلیم اللہ ۱۸۷۱ء میں ڈھاکہ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۵ء میں وفات پائی۔ ان کے والد بزرگوار کا نام نواب سر احسن اللہ تھا جنھوں نے ۱۹۰۱ء میں اس دنیائے فانی سے عالمِ جاودانی کو کوچ کیا۔ نواب احسن اللہ کے انتقال کے بعد خواجہ سلیم اللہ ڈھاکہ کے نواب ہوئے۔ حکومت کی طرف سے پہلے نواب بہادر اور پھر کے سی۔ آئی۔ ای۔ کا خطاب پایا۔

اس میں شک نہیں کہ نواب صاحب بڑے گھرانے میں پیدا ہوئے اور عیش و عشرت میں پروان چڑھے مگر اس کے باوجود ان کی طبیعت کبھی رنگ رلیوں کی طرف مائل نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ برِعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کی زبوں حالی کو خوش حالی میں بدلنے کی طرف رجوع رہی اور سچ تو یہ ہے کہ ہماری آزادی کی جد و جہد کی تاریخ اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک کہ ہم نواب صاحب کا ذکر نہ کریں اور اسی طرح مسلم لیگ کی سرگذشت بھی نواب صاحب کے تذکرہ کے بغیر نامکمل ہوگی کیونکہ نواب صاحب اور مسلم لیگ لازم و ملزوم ہیں۔ نواب صاحب کے زمانے میں ایک طرف تو مسلمانوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا اور دوسری طرف ہندو انڈین نیشنل کانگریس میں شریک ہو کر اپنے فرقہ واریت کے اصلی روپ میں ظاہر ہو چکے تھے۔ ان حالات نے مسلمان لیڈروں کو اس بات کا احساس دلایا کہ وہ مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کریں تاکہ ان کے حقوق کی حفاظت ہو سکے آخر وہ وقت آہی گیا جب مسلمان اپنے آپ کو موجودہ سیاست سے علاحدہ نہ رکھ سکے اور ایک مضبوط سیاسی ادارہ کی ضرورت ناگزیر ہو گئی تاکہ مسلم قوم کو دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رکھا جائے اور ہر شاطرانہ چال کا منہ توڑ جواب دیا جا سکے۔

۱۹۰۵ء میں فرقہ وارانہ ذہنیت نے بڑی شدت اختیار کر لی اور اس شدت کی اہم وجہ تقسیم بنگال

کا واقعہ تھا۔ اس زمانہ میں صوبہ جاتِ بنگال، بہار اور اڑیسہ کی آبادی سات کروڑ آٹھ لاکھ تھی اور یہ صوبے ایک ہی لفٹیننٹ گورنر کے ماتحت تھے۔ لارڈ کرزن اور ان کے مشیروں نے اتنی بڑی آبادی کو ایک انتظامی اکائی رکھنے میں دقّت محسوس کی اس لیے انھوں نے ۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگالہ کا اعلان کیا۔ اور چھ سال تک مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو یہ موقع ملا کہ وہ اپنے بگڑے ہوئے حالات کو سنوارنے کی کوشش کریں۔ شاید یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اس تقسیم کا سہرا نواب صاحب ہی کے سر تھا کیونکہ انھوں نے وائسرائے کو بتلایا کہ ہندوؤں نے کس طرح مسلمانوں سے ان کے جائز حقوق بھی چھین رکھے ہیں اور ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں جن میں مسلمانوں کا مذہب، تعلیم، زبان اور تمدن سب کچھ برباد ہوا جا رہا ہے۔ گو مسلمانوں کو یہ آزادیِ عمل صرف چھ برس کے لیے ملی لیکن آنے والی تاریخ کی تعمیر میں اس مختصر دور کا بہت بڑا حصہ ہے۔ بہر کیف بنگال کی تقسیم کیا ہوئی ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی۔ کیونکہ ہندوؤں نے اس تقسیم کے خلاف پورے زور شور سے سوچی سمجھی ہوئی تشدد پسند تحریک شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ متعدد مقامات پر نہتے مسلمانوں کا مسلح ہندوؤں نے قتلِ عام کیا اور ان حالات و واقعات نے ہندو مسلم اختلاف کو سارے ملک میں پھیلا دیا۔ آخر کار ۱۹۱۱ء کے شاہی دربار منعقدۂ دہلی میں بنگال کی تقسیم کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا گیا اور پوری مسلم قوم کو اور خاص طور پر نواب سلیم اللہ کو اس کا بڑا صدمہ ہوا۔

بنگال کی تقسیم کے بعد ہندوؤں کی زوردار مخالفت اور مسلمانوں سے تعصب و عناد کو دیکھتے ہوئے نواب صاحب ہی نے سب سے پہلے یہ بات سوچی کہ مسلمانوں کو ایک مضبوط سیاسی جماعت کی شدید ضرورت ہے۔ چنانچہ یہ خیال عملی شکل اختیار کرنے لگا۔ اور ایک اہم قدم یہ اٹھایا گیا کہ نواب محسن الملک، وقار الملک اور دیگر اکابرینِ قوم کے مشورے سے ایک یادداشت مرتب کی گئی جس کو ایک نمائندہ وفد نے گورنر جنرل کی خدمت میں پیش کیا۔ اس یادداشت میں مسلمانوں کو کونسلوں میں موثر نمائندگی دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا، جداگانہ انتخاب پر زور دیا گیا تھا، سرکاری ملازمتوں میں مناسب حصہ طلب کیا گیا تھا اور میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں مسلمانوں کے لیے نشستوں کے تعین پر اصرار کیا گیا تھا۔ جس اجتماع میں مسلمانوں کے ان مطالبات کو مرتب کیا گیا تھا، اسی اجتماع میں مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کے متعلق بھی باہم مشورے ہوتے اور بالآخر ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو

متفقہ طور پر کل ہند مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی اور مسلم لیگ کا باضابطہ دفتر بھی قائم ہوگیا۔

یہ تاریخی اجلاس نواب سر سلیم اللہ ہی کی دعوت پر ڈھاکہ میں منعقد ہوا تھا اور اس اجلاس کا کل انتظام اور اخراجات انھیں کے ذمے تھے۔ اس اجلاس میں نواب صاحب نے ایک یادگار تقریر فرمائی تھی۔ اجلاس میں ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کا جائزہ لیتے ہوئے ایک قرارداد پیش کی گئی تھی جس میں ایک سیاسی ادارہ کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا، جس کا کام مسلمانوں کے سیاسی حقوق، ان کی ضروریات اور ان کی خواہشوں کو حکومت کے سامنے پیش کرنا تھا۔ اس تاریخی قرارداد کی تائید حکیم اجمل خاں دہلوی نے اور حمایت تقریباً تمام اکابرینِ قوم نے کی تھی۔ ایسے نازک وقت میں مسلم لیگ جیسی مستحکم سیاسی تنظیم کا وجود میں آجانا ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ تھا۔ اور یہ نواب صاحب ہی کی ذات تھی جس نے ہندوؤں کی قوت کا پوری ہمت سے مقابلہ کیا اور مسلمانوں کے حوصلے زندہ رکھے جس کے نتیجے میں یہ بات شک وشبہ سے بالا ہوگئی کہ ہندوستان میں ایک قوم نہیں بلکہ دو قومیں آباد ہیں۔ یقیناً نواب صاحب کی یہ قابلِ فخر کامیابی ہے کہ ان کے قائم کردہ سیاسی ادارہ نے اسلامی ہند کو منظم و متحد کر دیا اور وہی پاکستان کو عالم وجود میں لانے کا ذریعہ بنا۔

نواب سلیم اللہ کی سرگرمیاں صرف سیاسیات تک محدود نہ تھیں بلکہ مسلمانوں کی ترقی و بہبود کے لیے انھوں نے دوسرے شعبوں میں بھی اہم خدمات انجام دیں۔ اس زمانے میں اسلامی مدرسوں کا طرزِ تعلیم بہت فرسودہ ہو چکا تھا۔ نواب سلیم اللہ نے شمس العلما نصر وحید صاحب کو اسلامی تعلیمات کے نصاب کا جائزہ لینے کے لیے مشرقِ وسطیٰ بھجوایا تاکہ تعلیم کی اصلاح کر کے مسلمانوں میں نئی روح پھونکی جائے۔ نواب صاحب نے ایک بڑی رقم علی گڈھ کالج کو بھی عطیہ کے طور پر دی تھی۔ اور یہی کالج آگے چل کر عالمِ اسلامی میں مسلمانوں کی سب سے بڑی درسگاہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ بن گیا۔ اس یونیورسٹی نے مسلمانوں کی جنگِ آزادی میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں وہ ضرب المثل ہیں۔

مسلمانوں کی جہالت اور ہندوستان کے اکثریتی فرقہ کے تعصب و عداوت نے نواب سلیم اللہ کی راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کر دیا تھا اور وہ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے پوری کوشش

کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے شاہ باغ ڈھاکہ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس بھی طلب کی جو نہ صرف بنگالی مسلمانوں بلکہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی بیداری کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

کلکتہ بیکر ہاسٹل کے لیے نواب صاحب نے تیس ہزار روپے دیے اور پورے بنگال میں مسلمانوں کے چھوٹے بڑے مدرسوں کو ہمیشہ امداد دیتے رہے۔ ڈھاکہ کا انجینئرنگ اسکول، جو اب کالج بن گیا ہے اور ڈھاکہ یونیورسٹی کا شاندار ہاسٹل سلیم اللہ ہال انھیں کی فیاضی کے قابلِ قدر نمونے ہیں۔ نواب صاحب کی مصروفیات عطیات تک ہی محدود نہیں تھیں بلکہ انھوں نے مسلمان بچوں کے لیے ایک یتیم خانہ بھی ڈھاکہ میں قائم کیا جس کا نام سر سلیم اللہ یتیم خانہ ہے جو کسی کا محتاج نہ کبھی تھا، نہ ہے اور نہ رہے گا کیونکہ اس کے لیے ایک بڑی جائیداد نواب صاحب نے وقف کر دی ہے۔

مسلمانوں میں مذہب کا جوش اور رسول اکرمؐ کی محبت تازہ کرنے کے لیے نواب صاحب اپنے خرچ سے ڈھاکہ کے ہر ہر گوشہ میں محفلِ میلاد شریف منعقد کراتے تھے اور ساری ساری رات ان محفلوں میں شریک رہتے تھے۔

نواب سلیم اللہ نے اپنا سب کچھ مسلم قوم پر قربان کر دیا تھا اور یہی ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ وہ پکے مسلمان تھے اور ان کا دل قوم کی محبت سے سرشار تھا۔ انھوں نے ساری زندگی جو کچھ کیا وہ کرسی اور عزت کے لیے نہیں بلکہ مسلمانوں اور مسلم لیگ کی خاطر کیا۔ کیونکہ عزت اور کرسی تو ان کا آبائی ورثہ تھا۔ نواب سلیم اللہ کی بڑائی کا راز درحقیقت ان کی پرُخلوص ملّی خدمات اور ایثار و قربانی میں مضمر ہے اور مسلمانانِ ہند کی جنگِ آزادی کی تاریخ میں انھوں نے ایک نمایاں مرتبہ حاصل کر لیا ہے۔